اخبار و افکار

وقائع نگار

۴ مارچ ۲ ۷ ء : مغربی جرمنی کے ڈاکٹر ھانز ارنسٹ (Hans Ernest) ''ناظم الامور دفتر اطلاعات و نشریات برائے پاکستان ، هندوستان ، نیپال ، سیلون اور برما '' نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائرکٹر سے ملاقات کی اور ان کی معیت میں ادارے کے مختلف شعبوں کا معائنہ کیا ۔

ڈاکٹر ارنسٹ اسلامی علوم سے دلچسپی رکھتے ھیں۔ انھوں نے مشرقی تہذیب اور اسلامی ثقافت پر کتابیں لکھی ھیں۔ فارسی اور جرمن کی ترویج کے لئے مشھد میں ایک ثقافتی مرکز قائم کرنے کے سلسلے میں ان دنوں مختلف ملکوں کا دورہ کر رہے ھیں۔ وہ اپنے کام کا دائرہ متعلقہ ممالک خصوصاً پاکستان تک وسیع کرنا چاھتے ھیں۔ انھوں نے ادارۂ تحقیقات اسلامی میں جاری مختلف تحقیقی منصوبوں کے متعلق معلومات حاصل کیں اور اس کی مطبوعات سے دلچسپی کا اظہار کیا ۔ کتب خانے کو انھوں نے استعجاب اور استحسان کی نظر سے دیکھا ۔

---

۱۰ مارچ ۲ ۷ ء : ادارہ کے سیمینار ھال میں ایک مجلس مذاکرہ منعقد ھوئی ، جس میں ادارہ کے ایک سینئر رفیق احمد حسن صاحب نے Modern Trends on Ejmā (اجماع کے بارے میں جدید رجحانات) کے موضوع پر ایک مقالہ پڑھا ۔ یہ مقالہ درحقیقت ان کی زیر تصنیف کتاب The Doctrine of Ejmā in Islam (اسلام میں اصول اجماع) کے ایک حصہ کا خلاصہ تھا ۔ مقالہ پڑھنے سے پہلے ادارہ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر محمد صغیرحسن صاحب معصومی نے اجماع کی تعریف ، اس کا تصور ، اور اس کی اھمیت پر روشنی ڈالی ۔ مقالہ کے شروع میں مقالہ نگار نے بتایا کہ اجماع کا تصور اسلام میں وحدت فکر اور استحکام پیدا کرنے کے لئے وجود

میں آیا تھا۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کے متعلق جو تفصیلات ملتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے ہی اس کے بارے میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اسلام میں اجماع چونکہ دوسرے مذاھب میں منظم اداروں کی طرح کوئی ادارہ نہیں ہے، اس لئے دور حاضر کے بعض مفکرین نے اس کی فعالیت پر اپنے شبہات کا اظہار کیا ہے، اور وہ اس کو ایک منظم ادارہ کی حیثیت سے ہی مفید سمجھتے ہیں۔

مقالہ میں شاہ ولی اللہ، مولانا عبیداللہ سندھی، سید احمد خان، ڈاکٹر محمد اقبال، مفتی محمد عبدہ، اور پروفیسر گب (H. A. R. Gibb) کے اجماع کے بارے میں خیالات کا جائزہ پیش کیا گیا۔ شاہ ولی اللہ مجتہدین کے ایسے اجماع کو جس میں ایک شخص کا بھی اختلاف نہ ہو، محال سمجھتے ہیں۔ ان کی رائے میں اجماع کی حقیقت یہ ہے کہ خلیفہ وقت اہل الرائے کے مشورے کے بعد جو حکم نافذ کرے اور وہ پوری امت اسلامیہ میں جاری و ساری ہو جائے اس کو اجماع کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں خلافت راشدہ، بالخصوص حضرت عثمان کے بعد صحیح معنی میں کوئی اجماع نہیں ہوا۔ دور فاروقی کے اجماع کو وہ بہت اہمیت دیتے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی صحابہ کے تعامل کو سنت اور تابعین کے تعامل کو اجماع سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر دور میں اہل الرائے کے باھمی مشورے کثرت رائے اور بحث ومباحثے کے بعد جس رائے پر اتفاق ہوجائے، وہی اجماع ہے۔ اہل اجماع کے لئے وہ "والذین اتبوھم باحسان" کی صفت لازمی سمجھتے ہیں۔ سید احمد خاں صرف اس اجماع کو مانتے ہیں جو قرآن و سنت کی نصوص پر مبنی ہو۔ اجماع ان سے علیحدہ کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ ڈاکٹر اقبال اجتہاد و اجماع کے ذریعہ بدلتے ہوئے حالات میں قرآن و سنت پر مبنی نئے قوانین بنانا چاہتے ہیں۔ وہ مسلمان منتخب نمائندہ اسمبلیوں کے اجماعی فیصلوں کو اجماع سمجھتے ہیں۔ لیکن ان اسمبلیوں میں وہ ہر فن کے ماہرین، جید علماء اور دانشوروں کی نمائندگی ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں علماء اصول نے جس

اجماع کا تصور پیش کیا ہے وہ ایک بہت اچھا نظریہ ہے ، لیکن عملی طور پر منظم نہ ہونے کے سبب اس کی کوئی افادیت نہیں ۔ مفتی محمد عبدہ اجماع کے تصور کو بہت و سعت دینا چاہتے ہیں۔ اجماع کو وہ صرف مجتہدین تک محدود نہیں کرتے۔ بلکہ ان کے خیال میں قرآن مجید جن کو اولو الامر کہتا ہے درحقیقت وہی اہل اجماع ہیں۔ اولو الامر سے مراد قطعاً مجتہدین نہیں ہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں اہل اجماع میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جن پر عام لوگ اپنے دینی و دنیوی امور میں اعتماد کرتے ہوں۔ ایسے لوگ ہر معاشرہ میں جانے پہچانے ہوتے ہیں، اسمبلیوں میں کسی مسئلہ پر ان کا اتفاق رائے اجماع کے حکم میں ہے ۔ مفتی عبدہ بھی ڈاکٹر اقبال کی طرح منتخب نمائندہ اسمبلیوں کے اجماعی فیصلہ کو اجماع سمجھتے ہیں۔ مستشرقین میں پروفیسر گب اجماع کے بارے میں قدیم نظریئے کے مؤید ہیں۔ انہیں ان مفکرین کی رائے سے اختلاف ہے جو اس کو کلیسائی نظام کی طرح ایک منظم ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اجماع کو وہ ملت کی آواز، امت کا اجتماعی ضمیر اور پختہ عزم کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں اجماع، امت کا ایسا متفقہ فیصلہ ہے جو ووٹوں کے شمار، اورکسی مجلس میں ہنگامی اتفاق سے حاصل نہیں ہوتا ، بلکہ یہ ایک طویل مدت تک آہستہ آہستہ نا محسوس طریقہ سے اجتماعی رائے کے دباؤ کے ساتھ آگے بڑھتا ہے ، اور امت میں خود بخود اس کا ظہور ہوتا ہے ۔ جن معاشروں کی بنیاد منظم مذہبی اداروں پر نہیں ہوتی ، بلکہ اختلاف رائے پر مبنی ہوتے ہیں، اور اجماع جیسے تصور کے ساتھ وہ مربوط ہوتے ہیں ، ان میں قدیم روایات کو بہت اہمیت دی جاتی ہے ۔ ان میں اولاً تو تبدیلی بہت کم آتی ہے ، بلکہ تبدیلی کو حتی الوسع روکا جاتا ہے ، اور جہاں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے وہاں بہت آہستہ اور نا محسوس طور پر ہوتی ہے ۔ اگر معاشرہ کا تصوراتی نظام ہر لمحہ بدلنے لگے ، یا تبدیلی کے لئے ہر وقت تیار رہے ایسی صورت میں اجتماعی ضمیر کو سند ماننا نا ممکن ہے ۔ مقالہ نگار نے آخر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسمبلیوں یا مذہبی

تنظیموں اور اداروں کے فیصلوں کو ہم عارضی اور وقتی اجماع تو کہہ سکتے ہیں لیکن اجماع امت اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا جب تک پوری امت اس کی توثیق نہ کر دے۔ اور ظاہر ہے یہ ایک مدت گذرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔

مقالہ ختم ہونے کے بعد سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔

س : جب اجماع کی بنیاد سند پر ہے، جو یقیناً قرآن و سنت سے ماخوذ ہوتی ہے، تو پھر اجماع کی کیا ضرورت ہے ؟

ج : علماء اصول نے اس اعتراض کو مخالفین اجماع کی طرف سے کتابوں میں خود نقل کیا ہے۔ اور اس کے جوابات دئے ہیں۔ لا اجماع الا عن سند'' درحقیقت ایک گروہ کا قول ہے، عام علماء اصول اجماع کے لئے سند ضروری نہیں سمجھتے۔ اجماع کے بارے میں انہوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ اجماع کی بنیاد یقیناً قرآن و سنت سے ماخوذ کسی دلیل پر ہوتی ہے۔ اور یہ دلیل اکثر معلوم ہوتی ہے۔ تاہم جن مسائل میں قدیم سے اجماع چلا آرہا ہے اور اس کی دلیل معلوم نہیں، اس اجماع کو بھی یہ سمجھ کرحجت مانا جاتا ہے کہ قرون اولی میں جن لوگوں نے اس پر اتفاق کیا تھا ان کو اس کی دلیل ضرور معلوم ہوگی، جو ہم تک نہیں پہونچ سکی۔

س : ادلہ اربعہ میں اجماع ایک مستقل شرعی دلیل ہے، یا قرآن و سنت کے تابع ہے ؟

ج : اجماع کو قرآن و سنت سے علیحدہ ایک مستقل شرعی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے مسائل میں قرآن و سنت میں حکم موجود ہونے کے باوجود اختلاف تعبیر کے سبب اختلاف ناگزیر ہے۔ اور اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کون سی رائے درست ہے مشکل ہوتا ہے۔ اجماع اس اختلاف کو دور کرکے صحیح و درست رائے کو بتلاتا ہے۔ جو رائے اس کے خلاف ہوتی ہے اس کو مرجوح سمجھا جاتا ہے، اور اس پر عمل نہیں ہوتا۔

س : مقالہ نگارنے ڈاکٹر اقبال پر ، ڈاکٹر سید محمد یوسف صاحب کی جو تنقید پیش کی ہے وہ درست نہیں ہے ۔ ڈاکٹر اقبال اجتہاد و اجماع کو جو صدیوں سے ایک نظریہ بن کر رہ گئے ہیں ، عملی شکل دینا چاہتے تھے ۔ اسمبلیوں میں وہ ماہرین فن اور مخلص نمائندے چاہتے تھے ، جن کے ساتھ علماء کی ایک جماعت بھی موجود ہو ۔ ایسی صورت میں ان کے فیصلے اجماع کہے جاسکتے ہیں ۔

ج : ڈاکٹر یوسف نے اپنی تنقید کے شروع میں یہ بات کہی ہے ، جو بہت بنیادی ہے ، کہ اجتہاد ایک نا قابل انتقال حق ہے جو کسی مجتہد سے چھینا نہیں جاسکتا ۔ اجماع کے قدیم نظریہ کے مطابق ایک دور میں موجود ایسے تمام مجتہدین کا اتفاق جو اجماع کے اہل ہیں اجماع کی صحت کے لئے ضروری ہے ۔ ایسی صورت میں چند مجتہدین کی اسمبلی میں نمائندگی تمام مجتہدین و علماء کی قائم مقام نہیں ہو سکتی ۔ اور جو مجتہدین اسمبلی کے رکن نہیں ہیں ان سے اجتہاد کا حق نہیں چھینا جا سکتا ۔ اس لئے اسمبلی کے فیصلے علماء اصول کی تعریف کے مطابق اجماع کے حکم میں نہیں آتے ۔ تاہم ان کی اپنی جگہ اہمیت ہے ، کیونکہ قرآن مجید نے شوریٰ کا حکم دیا ہے ، اگر یہ فیصلے قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہیں تو بلاشبہ ان کی حیثیت شرعی قانون کی ہوگی ۔ ڈاکٹر یوسف صاحب نے اپنی تنقید میں اجماع کے نظریہ اور اس کے طریق عمل کو بہت واضح طور پر بتایا ہے ، جو کسی طرح بھی اسمبلیوں پر منطبق نہیں ہوتا ۔

---

۱۸ مارچ ۷۲ء : وزیر قانون جناب محمود علی قصوری نے ، جو ادارۂ تحقیقات اسلامی کے چیئر مین بھی ہیں ، ادارے کا معائنہ کیا ۔ سیمینار ہال میں ارکان ادارہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے اسکالرز کو انہماک سے کام کرنے کی تلقین کی ، ان ذمہ داریوں کا احساس دلایا جو ان پر ایک ایسے ادارے کے رکن ہونے کی حیثیت سے عائد ہوتی ہیں جس کا مقصد اس دور میں مسلمانوں کی رہنمائی ہے ۔ انہوں نے علم و تحقیق کے ساتھ عمل کی ضرورت پر بھی زور

دیا ۔ انہوں نے فرمایا ادارہٴ تحقیقات اسلامی کے ارکان کو کم از کم ظاہری احکام اسلام مثلاً نماز روزے کی پابندی میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے ۔ تحقیقی کام کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ کی مثال ہمارے سامنے ہے ۔ جنہوں نے تنہا وہ کام کیا جو پچاس ادارے مل کر نہیں کر سکتے ۔ آزادی فکر کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ امام ابو حنیفہ خود اس کے بہت بڑے علمبردار تھے اسی لئے ان کے دور میں انہیں اهل الرائے کہا جاتا تھا۔ لیکن بعد میں ان کے متبعین نے تقلید کو اپنا لیا ۔ امام ابو حنیفہ نے جہاں اس کام کو چھوڑا تھا آپ کو وہاں سے آگے بڑھانا ہے ۔ انہوں نے کہا آزادئی فکر کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام کی نئی تعبیر کی جائے ۔ البتہ نئے مسائل میں اسلام کا نقطہٴ نظر معلوم کرنے کے لئے فکر کا استعمال ضروری ہے ۔ انہوں نے کہا یہ ادارہ اس لئے نہیں ہے کہ مستشرقین کے کاموں کو دھرایا جائے ۔ آپ کو ایسا کام کرنا چاہئے جو اسلام کی روح کو باقی رکھتے ہوئے عہد حاضر میں جدید مسائل کو حل کرنے میں ہماری صحیح رهنمائی کر سکے ۔ انہوں نے ادارہٴ تحقیقات اسلامی کی ضرورت و اهمیت پر زور دیتے ہوئے اس کو فعال بنانے کی تمنا کا اظہار کیا ۔

ادارہٴ تحقیقات اسلامی ایمپلائیز ایسوسی ایشن

پچھلے دنوں ادارہ تحقیات اسلامی کے تمام ارکان کا ایک اجتماع ہوا جس میں بہ اتفاق رائے ایک ایسوسی ایشن بنانے کا فیصلہ کیا گیا اور ایک عبوری دستور منظور کیا گیا ۔ اس دستور کے تحت ایسوسی ایشن کے عہدیداروں کا انتخاب کیا گیا جس کے نتیجہ میں جناب محمد یوسف گورایہ کو بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا اور سکرٹری کے عہدے کے لئے انتخاب کیا گیا جس میں جناب عطا حسین کامیاب ہوئے اور جناب توکل حسین صدیقی کو بحیثیت خزانچی بلا مقابلہ منتخب کیا گیا ۔

ایگزیکٹو کمیٹی کے لئے دس ارکان منتخب کیے گئے ۔ جناب ڈاکٹر دیطلف خالد ، جناب ظفر علی ، جناب ڈاکٹر عبد الرحمان شاہ ولی ، جناب احمد خان ، جناب سید برھان نقیب ، جناب عبد الرزاق ، جناب ضیاء احمد ، جناب محمد حسین چودھری ، جناب شاہ عالم ، اور جناب سرفراز بحیثیت اراکین منتخب کیے گئے ۔

انتخابات کے بعد ایک پر وقار تقریب میں عارضی صدر جناب حافظ محمد طفیل نے منتخب عہدے داروں سے حلف وفاداری لیا ۔ اس تقریب میں ڈائریکٹر ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی صاحب اور سکریٹری جناب اعجاز احمد زبیری صاحب نے بھی شرکت کی ۔

ایسوسی ایشن کے دستور کی منظوری کے لئے خصوصی اقدامات کئے جارہے ھیں ۔

تبصرے کے لئے درج ذیل کتب موصول ھوئیں ۔

تاریخ کشمیر تصنیف سید محمود آزاد ۔

حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق تصنیف مولانا محمد تقی عثمانی ۔

مقام صحابہ تصنیف مولانا مفتی محمد شفیع ۔

تذکرۂ حضرت ایشان تصنیف میاں اخلاق احمد ۔

اعتذار

ادارے کو افسوس ھے کہ مسٹر محمد یوسف گورایہ کے مضمون " اسلامی طبی ھدایات کا عملی نفاذ " (بابت ماہ نومبر ۱۹۷۱ صفحہ ۳۸۳ سطر ۱) میں " اسلام کے دین فطرت " کی جگہ " اسلام کے مکمل ضابطہ حیات " طبع ھو گیا ھے ۔ قارئین سے التجا ھے کہ درست کر لیں ۔